

22169- تحفہ دیتے وقت اولاد کے مابین برابری نہ کرنے کا حکم

سوال

کیا میرے لیے اولاد میں سے خاص کسی ایک کو تحفہ دینا جائز ہے کہ اس کے دوسرے بھائیوں کو تحفہ دوں، اور اگر یہ تحفہ اس کے حسن اخلاق اور یا پھر والدین کی اطاعت کی بنا پر ہو تو کیا حکم ہوگا؟

پسندیدہ جواب

الابعد:

علماء کرام کا اتفاق ہے کہ تحفہ و حدیہ دیتے ہوئے اولاد کے مابین عدل و انصاف اور برابری کرنا مشروع ہے، لہذا اولاد میں سے کسی ایک کو خصوصاً حدیہ دینا اور باقی کو نہ دینا جائز نہیں ہے۔
ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب المغنی میں کہا ہے:

برابری کرنے کے استحباب اور کسی ایک کو دوسرے سے افضلیت دینے کی کراہت میں اہل علم کے مابین کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

دیکھیں: المغنی لابن قدامہ المقدسی (5/666)۔

اولاد کے مابین تفضیل کے حکم میں علماء کرام کے کئی ایک اقوال ہیں جن میں سے دلائل کے محاض سے دو قول قومی معلوم ہوتے ہیں (واللہ اعلم) انہیں ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:
پہلا قول:

اولاد کے مابین تفضیل مطلقاً حرام ہے یعنی اولاد میں سے کسی ایک بچے کو حدیہ دینے میں افضلیت دینا مطلقاً حرام ہے، اور خنابلہ کے ہاں مشہور مسلک بھی یہی ہے۔

دیکھیں: کشاف القناع (4/310) اور الانصاف (7/138)۔

اور ظاہریوں کا بھی یہی مذہب ہے (یعنی یہ تفضیل کسی سبب کے ہوا بغیر کسی سبب کے)۔

دوسرا قول:

اولاد کے مابین تفضیل حرام ہے، لیکن اگر کوئی شرعی سبب ہو تو پھر جائز ہے، امام احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے۔

اور ابن قدامہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے بھی قول اختیار کیا ہے

دیکھیں: الانصاف (7/139) اور المغنی (5/664)۔ مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ (31/295)۔

فریقین نے اولاد میں تفضیل کی حرمت پر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

نعمان بن بشیر رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور کہنے لگے: میں نے اپنا غلام اپنے اس بیٹے کو دے دیا ہے، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا آپ نے اپنے سب بچوں کو اسی طرح دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں، لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: آپ اس سے وہ غلام واپس لے لیں۔

صحیح بخاری حدیث نمبر (2586) صحیح مسلم حدیث نمبر (1623)۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: میرے والد نے مجھ پر اپنا کچھ مال صدقہ کیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہ کہنے لگی کہ میں اس پر اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک آپ اس پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنا دیں، تو میرے والد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تاکہ انہیں میرے صدقہ پر گواہ بنا سکیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

کیا تو نے اپنے ساری اولاد کے ساتھ ایسے ہی کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب نفی میں دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے باہم عدل و انصاف سے کام لو، میرے والد نے واپس آکر وہ صدقہ واپس لے لیا۔

صحیح بخاری حدیث نمبر (2587) صحیح مسلم حدیث نمبر (1623)۔

اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بشیر کیا آپ کے اس کے علاوہ اور بھی بچے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا جی ہاں، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: کیا آپ نے ان سب کو بھی اسی طرح مال حصہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: نہیں، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے گواہ نہ بناؤ کیونکہ میں ظلم و جور پر گواہ نہیں بنتا۔

صحیح مسلم حدیث نمبر (1623)۔

حدیث سے کئی ایک اعتبار سے دلالت ہو رہی ہے:

اول: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عدل و برابری کرنے کا حکم دیا اور امر و وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

دوم: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان فرمانا کہ اولاد میں سے باقیوں کو چھوڑتے ہوئے صرف ایک کو تفضیل دینا ظلم و انصافی ہے، اس کے ساتھ اضافہ یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دینے سے انکار کر دیا اور اس سے وہ عطیہ واپس لینے کا کہنا یہ سب کچھ تفضیل کی حرمت پر دلالت کرتا ہے۔

ان اقوال کے قائلین نے عقلی دلائل سے بھی استدلال کیا ہے جن میں سے چند ایک کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ:

جس نے اسے واجب قرار دیا ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ: یہ واجب کے مقدمات وابتدایات میں سے ہے، اس لیے کہ قطعِ رحمی اور نافرمانی دونوں ہی حرام کام ہیں جو حرام کام تک لے جانے کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے، اور تفضیل بھی اسی حرام کام تک جانے کا سبب ہے۔

دیکھیں: فتح الباری شرح صحیح بخاری (214/5)۔

اس کی تائید مسلم کی روایت کے الفاظ بھی کرتے ہیں:

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنا لو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ وہ سب تیرے ساتھ حسن سلوک اور صلہِ رحمی میں برابری کریں، وہ کہنے لگے کیوں نہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر ایسا بھی نہیں۔

صحیح مسلم حدیث نمبر (1623)۔

اور اس کی حرمت کے دلائل میں یہ بھی ہے کہ: اولاد میں سے کسی ایک کو دوسرے سے بہتر جاننے اور تفضیل سے ایک دوسرے کے مابین بغض و عداوت نفرت پیدا ہوگی، اور ان کے اور والد کے مابین بھی یہی چیز پیدا ہوگی لہذا اس سے منع کر دیا گیا۔

دیکھیں: المغنی لابن قدامہ (664/5) یہ بھی پہلے معنی جیسا ہی ہے۔

دوسرے قول کے قائلین نے کسی مصلحت و حاجت یا پھر عذر کی بنا پر تفضیل کو جائز قرار دیا ہے اور امام مالک کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب موطن میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں غابہ نامی جگہ کی کھجوروں میں سے بیس و سن کھجوریں عطیہ کیں اور جب انہیں موت آنے لگی تو انہوں نے فرمایا:

میری بیٹی اللہ کی قسم مجھے لوگوں میں سے سب سے زیادہ اچھا اور پسندیدہ ہے کہ تم میرے بعد غنی اور مالدار رہو، اور میرے بعد تیرا فقر میرے لیے سخت تکلیف دہ ہے، اگر تو ان کھجوروں کو لے کر اپنے قبضہ میں کر لیتی تو وہ تیری تھیں، لیکن آج وہ مال و ارثوں کا ہے جو کہ تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں لہذا اسے کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کر لینا۔

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا اے میرے ابا جان اللہ کی قسم اگر ایسے ایسے ہوتا تو میں اسے بھی ترک کر دیتی، ایک بہن تو اسما ہے اور دوسری کون ہے، تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے وہ بنتِ خارجہ کے بطن میں ہے اور میرے خیال میں وہ لڑکی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مایہ ناز کتاب فتح الباری میں لکھتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے دیکھیں فتح الباری (215/5)۔

اس سے وجہ الدلائل وہی ہے جو ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہے، وہ کہتے ہیں:

اس کا احتمال ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی ضرورت کے پیش نظر کوئی خاص عطیہ دیا ہو کیونکہ وہ کمانے سے عاجز تھیں، اس لیے بھی کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خصوصیت اور فضیلت حاصل تھی کہ وہ ام المومنین بھی تھیں اور اس کے علاوہ بھی انہیں کئی ایک فضائل حاصل تھے۔

دیکھیں: المغنی لابن قدامہ المقدسی (665/5) کچھ کمی و بیشی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بارہ میں جواب دیا گیا ہے جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں بھی ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں :

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قصہ کے بارہ میں عروہ کا کہنا ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی اس عطیہ پر راضی تھے۔ فتح الباری (215/5)

دیکھیں : کتاب العدل بین الاولاد صفحہ نمبر (22) اور اس کے بعد والے صفحات یہ اقتباس کچھ کسی و بیشی کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے مطلقاً حرام قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب اغاۃ اللہفان میں کہا ہے :

اگر صحیح اور صریح سنت جس کا کوئی معارض نہیں میں اس سے منع نہ بھی ثابت ہوتا تو پھر قیاس اور اصول شریعت اور مصلحت کے ضمن میں اور مفاسد کو روکنے کے اعتبار سے بھی اس کی حرمت کا تقاضا ہوتا تھا۔

دیکھیں : اغاۃ اللہفان (540/1)۔

اور فضیلۃ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اولاد کے مابین تفضیل کو مطلقاً منع قرار دیتے ہوئے کہا ہے :

اولاد میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینی منع اور ان کے مابین عدل و انصاف کرنا واجب ہے چاہے وہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے، انہیں ان کی وراثت کے مطابق ملنا چاہیے، لیکن اگر وہ عاقل بالغ ہوتے ہوئے اس کی اجازت دے دیں تو پھر ٹھیک ہے۔

دیکھیں : الفتاویٰ الجامعۃ للمراۃ المسلمۃ (116-115/3)۔

اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے :

انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بعض بیٹوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت دیتا رہے، لیکن لڑکی اور لڑکے کے مابین افضلیت ہوگی اور لڑکی کے مقابلہ میں لڑکے کو ڈبل دیا جائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے مابین عدل و انصاف کرو۔

لہذا اگر کوئی اپنے کسی بیٹے کو سو درہم دیتا ہے اس پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ باقی بیٹوں کو بھی ایک سو درہم اور بیٹی کو پچاس درہم دے، یا پھر جس بیٹے کو اس نے سو درہم دیے ہیں اس سے واپس لے لے، ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے وہ واجب نفقہ میں نہیں بلکہ نفقہ کے علاوہ ہے، لیکن جو نفقہ واجب ہے تو اولاد میں سے ہر ایک کو اتنا ہی دیا جائے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

فرض کریں کہ اگر کوئی بیٹا شادی کرنے کا محتاج ہے تو اس کی شادی کرے اور اس کا مہر بھی ادا کرے، اس لیے کہ بیٹا مہر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس صورت میں یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باقی بیٹوں کو بھی اس شادی کرنے والے بیٹے جتنا ہی ادا کرے کیونکہ شادی کرنا تو نفقہ میں شامل ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ یہاں پر ایک مسئلہ کی تشبیہ کر دوں بعض لوگ جہالت کی بنا پر اس کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں : وہ اس طرح کہ ایک شخص کی اولاد ہے اس میں سے کچھ تو بالغ ہیں اور شادی کی عمر کو پہنچ چکے ہیں تو وہ ان کی شادی کر دیتا ہے اور کچھ بچے ابھی چھوٹے ہیں لہذا وہ ان چھوٹے بچوں کے لیے وصیت کرتا ہے کہ موت کے بعد انہیں بھی اتنا مال ادا کیا جائے جتنے میں بڑوں کی شادی کی ہے۔

ایسا کرنا حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ وصیت تو وارث کے لیے ہوگی اور وارث کے لیے وصیت کرنی حرام ہے کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

(یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے لہذا وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں)۔

یہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں دیکھیں ابو داؤد حدیث نمبر (3565) اور سنن ترمذی (16/2) وغیرہ نے بھی نے اسے روایت کیا ہے ، علامہ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ والی سند کو حسن قرار دیا ہے اور (لاوصیۃ لوارث) کے الفاظ والی روایت کو صحیح قرار دیا ہے دیکھیں ارواء الغلیل للالبانی (87/6)۔

لہذا اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ مال ان کے لیے وصیت کر دیا ہے کیونکہ اتنے مال سے میں نے ان کے بھائیوں کی شادی کر دی تھی تو ہم اسے یہ کہیں گے کہ اگر یہ پھوٹے بچے بھی آپ کی موت سے قبل بالغ ہو جائیں اور شادی کی عمر تک پہنچ جائیں تو ان کی بھی اتنے مال سے شادی کر دینا ، لیکن اگر وہ شادی کی عمر تک نہیں پہنچتے تو پھر آپ پر ان کی شادی کرنا واجب نہیں ہے۔

دیکھیں : فتاویٰ اسلامیہ (30/3)۔

واللہ اعلم۔